بر صغیر کا خود مختار مسلم ریاستی دور اور مسلم و غیر مسلم تعلقات: دکن، بنگال، جوئپور اور کشمیر کا خصوصی جائزہ

☆ منظرہ حیات

Abstract

Whenever a major empire collapses in a region, small governments are replaced, as when the Abbasid regime began to weaken in Baghdad, so many governments were formed in the wider region that included the Khilafah Abbasi. When the Umayyad Empire ended in Andalusia, the country was divided into several smaller governments. Similarly, when the great central empire of Delhi fell in the subcontinent, independent governments were established everywhere. But since the subcontinent is a relatively large region, the independent governments that were formed here were far larger than the smaller Andalusian governments, the Deccan, Bengal and Kashmir governments were equal to the Umayyad regime of Andalusia. Within Muslim governments, the importance of harmony and reconciliation in Muslim-non-Muslim relations has often been very important. Prevailed, Muslims gradually became permanent citizens of the subcontinent. They not only influenced the culture of the area and expanded it by narrowing it down, but also welcomed some local influences. As a whole, Hinduism was certainly influenced by new influences and India's Islam also became somewhat different from other countries' Islam. The monotheism of Islam influenced the Hindu religion and the belief in the unity of the Hindus influenced the Indian Muslims. There were many Hindu Muslims at that time who were new Muslims and who were raised in the Hindu tradition. There were relatively few who came from outside, so Islamic Sufism, whose source is elite, began to develop. The article under consideration includes a special review of the treatment of non-Muslims in the periods of Muslim-dominated states of Deccan, Bangla, Jaunpur and Kashmir.

Key words: Sub continent, Autonomous States, Muslim rulers, Non-Muslims, Harmony.

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

جب بھی کسی خطہ میں بڑی سلطنت کو زوال ہو تو اس کی جگہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں لے لیا کرتی ہیں جیسا کہ بغداد میں جب عباسی حکومت کمزور ہونا شروع ہوئی تو اس وسیع خطہ میں جو خلافت عباسی میں شامل تھائی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اندلس میں جب اموی سلطنت ختم ہوئی تو ملک کئی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا۔ اسی طرح برصغیر میں جب دہلی کی عظیم الشان مرکزی سلطنت کمزور پڑ گئی تو جگہ جگہ آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں۔ لیکن برصغیر چونکہ نسبتاً ایک بڑا خطہ ہے لہذا یہاں جو آزاد حکومتیں قائم ہوئیں وہ اندلس کی چھوٹی حکومتوں سے کہیں بڑی تھیں، دکن، بنگال اور کشمیر کی حکومتیں اندلس کی اموی حکومت کے برابر تھیں۔ مسلم حکومتوں کے اندر مسلم و غیر مسلم تعلقات میں ہم آہنگی اور مفاہمت کی بنیادی قدر کی اہمیت اکثر و بیشتر موجود رہی ہے۔ چنانچہ برصغیر میں مسلم دور حکومت کے دوران مسلم و غیر مسلم تعلقات میں ہم آہنگی کا پہلو باہمی عناد اور دشمنی کے

پہلو پر غالب رہا، مسلمان رفتہ رفتہ برصغیر کے مستقل شہری بن گئے۔ انہوں نے نہ صرف یہاں کی ثقافت کو متاثر کیا اور اس کو متنگنائی سے نکال کر وسعت بخشی بلکہ بعض مقامی اثرات کو بھی انہوں نے خوش آمدید کہا۔ بحیثیت مجموعی ہندو مذہب نئے اثرات سے متاثر ضرور ہوا اور ہندوستان کا اسلام بھی دوسرے ممالک کے اسلام سے کچھ نہ کچھ مختلف ہو گیا۔ اسلام کے عقیدہ توحید نے ہندو مذہب پر اثر کیا اور ہندوؤں کے وحدت الوجود کے عقیدہ نے ہندوستانی مسلمانوں کو متاثر کیا۔ اس وقت کے ہندی مسلمانوں میں بہت سے ایسے تھے جو نو مسلم تھے اور جنہوں نے ہندو روایات کے ماحول میں پرورش پائی تھی، نسبتاً بہت تھوڑے ایسے تھے جو باہر سے آئے تھے چنانچہ اسلامی تصوف جس کا منبع اشراقیت ہے ترقی کرنے لگا۔ زیر نظر مضمون میں دکن، بنگال، شرقی سلطنت جو نیپور اور کشمیر کی مسلم خود مختار ریاستوں کے ادوار میں مسلم و غیر مسلم تعلقات کا خصوصی جائزہ لیا گیا ہے۔

1۔ دکن کی بہمنی حکومت اور مسلم و غیر مسلم تعلقات (1347-1523)

دکن¹ اور جنوبی ہند کا علاقہ جلال الدین خلجی (1290-1295) کے بھتیجے علاء الدین خلجی (1295-1315) نے 1294 میں فتح کیا تھا، مگر دکن کی فتح کے کئی سال بعد محمد تغلق (1325-1351) کے دور حکومت میں 1347 میں یہ علاقہ دہلی کی

¹ دکن، سنسکرت کے لفظ دکن سے مشتق ہے جس کا معنی دایاں یعنی جنوب ہے۔ دکن خاص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے: 1۔ مغربی حصہ جس کے ارد گرد سمندر اور مغربی گھاٹ ہیں جسے دیش کہا جاتا ہے۔ یہ مرہٹوں کا اصلی وطن ہے یہ حصہ گھاٹوں کے آگے تک چلا گیا ہے اور اس میں وہ کل حصہ شامل ہے جس کے بڑے شہر احمد نگر اور پونا ہیں۔ 2۔ وہ علاقہ سے قرون وسطیٰ میں برابر کہتے تھے اور اب اپنے قدیم نام وردھ سے مشہور

سلطنت سے الگ ہو گیا اور یہاں دو آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں: ایک دکن کی بہمنی سلطنت اور دوسری جنوبی ہند کی وجے نگر۔ بہمنی سلطنت مسلمانوں کی تھی اس کا بانی علاء الدین حسن گنگو (1347-1358)² دہلی کے زوال کے بعد جو آزاد حکومتیں قائم ہوئیں ان میں سب سے پہلی اور طاقت ور حکومت یہی تھی۔ بہمنی سلطنت کا دار الحکومت پہلے گلبرگہ تھا پھر بیدر ہو گیا۔ اس خاندان میں اٹھارہ حکمران گزرے ہیں۔ محمد شاہ دوم (1463-1482) کی وفات کے بعد بہمنی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا اور وہ درج ذیل حکومتوں میں تقسیم ہو گئی۔

1- عادل شاہی بیجاپور (1490-1686)

2- نظام شاہی احمد نگر (1490-1633)

3- قطب شاہی گو لکنڈہ (1512-1687)

4- برید شاہی بیدر (1487-1619)

5- عماد شاہی برار (1490-1574)

ہے اس کا اہم شہر ناگپور ہے۔ 3- مرتھ وادہ، قدیم ریاست حیدر آباد کا وہ حصہ جہاں مرہٹی بولی جاتی ہے اور جس کا مرکزی مقام اورنگ آباد ہے۔ 4- تلنگانہ جہاں کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصہ کی مادری زبان تلگو ہے، اس علاقہ کا تاریخی اور ثقافتی مقام حیدر آباد ہے۔ 5- جنوب مغربی علاقہ جہاں زیادہ تر کند گا آباد ہیں اس علاقہ کا بڑا شہر بیجاپور ہے۔ (History of The Bahmani Dynasty, J.S.King, London, 1900, 380:9)

علاء الدین حسن گنگو بہمنی کے اصل نسب کے بارے میں کئی اقوال ہیں ان میں سے ایک مشہور یہ ہے کہ دار الخلافہ دہلی میں گانگوئی برہمن (بہمن) ایک منجم تھا جو شہزادہ محمد تغلق کا مقرر تھا اس کا ایک غریب ملازم حسن تھا۔ ایک روز تنگی معاش سے تنگ آکر اس نے گانگوئی سے خدمت و شغل کی درخواست کی۔ گانگوئی نے ایک بیلوں کی جوڑی اور دو موزے اور دہلی میں کچھ زمین دی کہ اسے کاشت کر کے اپنی گزر بسر کرے۔ اتفاق سے حسن کو اس زمین میں سے سونے سے بھری ہوئی اشرفیوں کا برتن ملا وہ اس برتن کو گانگوئی برہمن کے پاس لے گیا، گانگوئی اس کی دیانت دیکھ کر بہت خوش ہوا، اس نے اس بات کا ذکر شہزادہ محمد تغلق سے اور شہزادہ نے اپنے باپ غیاث الدین تغلق سے کیا۔ بادشاہ نے امیرانہ صدمہ کے سلسلہ میں اس کو منتظم کیا۔ ایک دن حسن کے زانچے طالعہ کو گانگوئی برہمن نے دیکھا اور کہا کہ تم اعلیٰ درجہ پر پہنچو گے بس تم مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ جب تم دولت عظمیٰ تک پہنچو تو میرے نام کو اپنے نام کا حصہ بنادینا تاکہ تمہارے نام کی برکت سے میرا نام بھی بقائے دوام حاصل کرے، حسن نے یہ بات قبول کی اور ابھی دولت ملی بھی نہیں تھی کہ اس نے اس نے اپنی مہر میں اس کے نام کو اپنا جزو نام بنا کر کندہ کروادیا اور یوں وہ حسن گانگوئی بہمنی کے نام سے مشہور ہوا۔ علاء الدین حسن گنگو نے اپنی حسن تدبیر و رائے صائب و ضرب شمشیر سے تھوڑی مدت میں ہی اس قدر ملک دکن کو فتح کر لیا کہ جس قدر بادشاہ محمد تغلق کے آخری دور میں اس کے امراء کے تصرف میں تھا۔ (دہلوی، ذکاء اللہ، تاریخ ہندوستان، لاہور، الکریم پبلشرز، اردو بازار، 274:4)

عماد شاہی حکومت 1574 میں احمد نگر کی حکومت میں اور برید شاہی 1619 میں بیجا پور کی حکومت میں شامل کر لی گئی۔ باقی ماندہ حکومتیں مغل سلطنت میں شامل کر لی گئیں۔ دکن کی ان چھوٹی ریاستوں کے دور میں یہاں مسلم تہذیب کی بنیادیں پختہ ہو گئیں۔ فن تعمیر، علم و ادب کو فروغ حاصل ہوا اور دکنی زبان کی شکل میں اردو ادب پہلی دفعہ متعارف ہوا۔³

ہندوؤں کو مسلمانوں سے کچھ زمانہ تک جو بُعد تھا اس کا اثر یہ تھا کہ کوئی ہندو مسلمان بادشاہوں کے دربار میں نوکری تک قبول نہیں کرتا تھا۔ رسوم و عادات کی یہ بندش سب سے پہلے دکن میں ٹوٹی۔ مسلمان سلاطین نے ہندو فاضلوں کی قدر افزائی شروع کر دی اور اس طرح سے وہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی جانب مائل ہونے لگے۔⁴ محمد شاہ دوم (1463-1482) کے زمانے میں راجہ جے سنگھ والی جے پور نے دلی، بنارس اور اجین میں رصد خانے قائم کرائے۔ ملاخیر اللہ مہندس رصد خانہ دلی کے منتظم خاص تھے۔ بنارس کا رصد خانہ اب تک موجود ہے اور ہندوؤں کے تہواروں میں اور شادی بیاہ کی تاریخوں میں اس سے اب تک مدد لی جاتی ہے۔ جے سنگھ نے مسلمان علماء کو جمع کر کے عربی زبان کی چند مشہور ہیئت کی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کرایا۔ گو لکنڈہ کے قطب شاہیوں کے دور میں ہندو شیعہ محرم کے جلوسوں اور تعزیوں میں بھی شرکت کرتے تھے اور محرم کے دنوں میں جو بچے پیدا ہوتے تھے ان کا نام حضرت امام حسین کے نام پر رکھتے تھے۔⁶

اس تمام عہد میں ہندوؤں کی تعلیم روز بروز ترقی کرتی گئی۔ فارسی دانی و علوم عربی کی تحصیل کا شوق، شاعری کا ذوق، خطاطی، خوشنویسی، حساب وغیرہ کی تعلیم نہایت عام ہوتی گئی یہاں تک کہ اس دور میں یہ نظر آتا ہے کہ ہر شریف ہندو کچھ نہ کچھ پڑھا لکھا تھا یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں کتابوں کے جمع کرنے اور کتب خانے قائم کرنے کا شوق نہ تھا کیونکہ کاغذ کی فتح میں مسلمانوں کو ایک کتب خانہ ملا تھا، لیکن اس دور میں مسلمانوں کو دیکھتے ہوئے ہندو شرفاء میں بھی کتب خانے

3 ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، سن اشاعت 2004، 172:2

4 صباح الدین عبدالرحمن، مقالات سلیمان اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1989، 12:1

5 صباح الدین عبدالرحمن، مقالات سلیمان، 17:1 (بحوالہ آزاد بلگرامی: سید المر جان)

6 عزیز احمد: برصغیر میں اسلامی کلچر (مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی)، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، 1997، ص 235 بحوالہ نظام الدین احمد صدیقی:

حدیقۃ السلاطین، انڈین اور نیشنل فارسی مخطوطہ 2978۔ ورق

قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ بڑے بڑے ہندو امراء کے ایوانوں میں دیگر سامان آرائش کے ساتھ ساتھ کتب خانہ کا وجود بھی ایک لازمی جز کی حیثیت رکھتا تھا۔ لاہور، پٹنہ، دلی، لکھنؤ اور ڈھاکہ میں ایسے بہت سے گھرانے ملیں گے۔⁷

اس دور کی ایک نمایاں شخصیت حضرت سید محمد الحسینی الملقب بہ بندہ نواز گیسو دراز (1321-1422) کی ہے، آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں اپنے والد مخدوم سید محمد یوسف المعروف شاہ راجو قتال کے ساتھ دہلی سے دولت آباد تشریف لائے۔ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ آپ کو دہلی لے آئیں۔ یہاں آپ نے مشہور اساتذہ سے کسب علم کیا، ظاہری علوم کی تکمیل آپ نے قاضی عبدالمتقندر تھانیسری جیسے فاضل سے کی۔ اس کے بعد حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں تعلیم باطنی کے لیے حاضر ہوئے، انہوں نے نہایت محبت سے آپ کو تعلیم دی۔ 1356 میں حضرت چراغ دہلی نے وفات پائی اور اس سے تین روز قبل حضرت گیسو دراز کو خلافت عطا کی آپ اس کے بعد دیر تک دہلی رہے۔ 1398 میں آپ حادثہ تیور کی بنا پر دہلی سے دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ گوالیار، چندیری، کھنڈانت ہوتے ہوئے اور گجرات میں کچھ عرصہ قیام کے بعد دولت آباد تشریف لے گئے، اس کے بعد گلبرگہ چلے گئے جو اس وقت شاہان بہمنی کا دار الخلافہ تھا۔ آخری عمر وہیں بسر کی۔ آپ نے کئی کتب تحریر کیں، آپ کی زیادہ تر تصانیف فارسی میں ہیں۔ دکن میں آمد کے بعد آپ نے عوام کی تلقین کے لیے بعض رسالے دکنی زبان میں بھی لکھے جن میں سے معراج العاشقین چھپ چکی ہے اور قدیم اردو یاد کنی کی سب سے پہلی مطبوعہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک شاعر بھی تھے، سرکاری گزٹیئر میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کے ہاتھ پر پونا اور بلگام کے بعض ہندوؤں نے اسلام قبول کیا

8-

7 صباح الدین عبدالرحمن، مقالات سلیمان 17:1

8 آرٹلڈ، دعوت اسلام (مترجم نعیم اللہ ملک)، لاہور، نشریات اردو بازار، ص 258۔ شیخ محمد اکرام: آب کوثر، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ،

ص 371 بحوالہ بمبئی گزٹیئر 501:8

2- ریاست بنگال اور مسلم و غیر مسلم تعلقات (1338-1576)

بنگال⁹ سلطان محمد تغلق کے عہد میں 1338 میں سلطنت دہلی سے آزاد ہو گیا تھا۔ اس وقت یہاں تین صوبے داروں نے تین حکومتیں قائم کر لی تھیں، یہ حکومتیں مشرقی بنگال، شمالی بنگال اور مغربی بنگال پر مشتمل تھیں۔ مشرقی بنگال کی حکومت کا بانی فخر الدین مبارک شاہ (1338-1350) تھا۔ 1343 میں شمس الدین الیاس شاہ نے شمالی اور مغربی بنگال کی حکومتوں کو اکٹھا کر دیا اور فخر الدین مبارک شاہ کے بعد مشرقی بنگال پر بھی قبضہ کر لیا۔ الیاس شاہی خاندان نے جس کی بنیاد شمس الدین الیاس نے ڈالی تھی۔ 1414-1442 کے مختصر سے درمیانی وقفہ کے علاوہ (اس دوران ایک مقامی ہندو راجا گنیش اور اس کے بعد اس کا نو مسلم بیٹا جادو سلطان جلال الدین کے نام سے تخت بنگال پر قابض ہو گئے تھے) 1487 تک بنگال پر حکومت کی۔ شمس الدین الیاس شاہ کے بیٹے سکندر شاہ کے دور میں فیروز شاہ تغلق (1351-1388) نے دو مرتبہ بنگال پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ لہذا آخر میں فیروز شاہ اور سکندر میں سمجھوتہ ہو گیا جس کے تحت بنگال نے دہلی کی بالادستی اور دہلی کی حکومت نے بنگال کی خود مختار حیثیت تسلیم کر لی۔ الیاس شاہی خاندان کے ایک حکمران رکن الدین باربک شاہ کو حبشیوں کو جمع کرنے کا بہت شوق تھا اس کی فوج اور محل میں آٹھ ہزار حبشی ملازم تھے ان حبشیوں نے باربک شاہ کے دور میں اس قدر طاقت پکڑی کہ 1487 میں جلال الدین فتح (1481-1487) کی حکومت ختم کر کے خود بنگال پر قبضہ کر لیا اور الیاس شاہی خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ الیاس شاہی خاندان میں کل نو حکمران گزرے ہیں۔¹⁰

حبشیوں کی یہ حکومت 1487 سے 1493 تک رہی اس کے بعد ان کا ایک وزیر سید حسین حبشیوں کو بے دخل کر کے علاء الدین حسین شاہ کے نام سے بادشاہ ہو گیا اور حسین شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ جس کا دور بنگال کی تاریخ کا شاندار دور کہلاتا ہے۔ حسین شاہی خاندان نے 1493 سے 1538 تک حکومت کی۔ علاء الدین حسین شاہ (1493-1519) اور اس کے بیٹے نصرت شاہ (1519-1533) کا عہد بنگال کے سیاسی و تمدنی ترقی کا عہد ہے۔ اس دور میں بہار، اڑیسہ اور آسام کا ایک حصہ بھی بنگال کی

⁹ ابن بطوطہ اس کے زمانہ میں بنگال آیا تھا اور مشرقی بنگال کے دارالحکومت سنار گاؤں اور سلہٹ تک گیا تھا۔ سنار گاؤں ڈھاکہ کے قریب واقع تھا ابن بطوطہ نے بنگال کی زرخیزی اور ارزانی کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ دنیا میں کوئی ملک بنگال کے برابر سستا نہیں۔ (ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، 2: 177)

¹⁰ نظام الدین احمد، طبقات اکبری (مترجم محمد ایوب قادری) 264:3

حکومت کے تحت آگیا تھا۔ لکھنؤ (گور) بنگال کا دارالحکومت تھا، یہاں شاندار عمارات تعمیر کی گئیں اور رفاه عامہ کے کام انجام دیئے گئے۔ ایک چینی سیاح نے اس دور کے بنگال کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں کی پیداوار وافر اور باشندے مسلمان ہیں۔ وہ اپنے معاملات میں راست باز اور فراخ دل ہیں۔ نصرت شاہ کے حکم پر سنسکرت کی مشہور رزمیہ داستان مہابھارت کا بنگالی میں ترجمہ کیا گیا۔ حسین شاہ اور نصرت شاہ نے ہندوؤں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اس عہد کا ایک ہندو شاعر لکھتا ہے کہ نصرت شاہ کا باپ ایک عظیم بادشاہ تھا اور وہ ملک پر ایک دوسرے رام کی طرح حکومت کرتا تھا۔ حسین شاہی خاندان کے چار افراد نے اس عرصہ میں حکومت کی۔ 1538 میں بنگال پر شیر شاہ سوری نے قبضہ کر لیا۔ سوری خاندان کی یہ حکومت 1555 تک قائم رہی اس کے بعد کرائی پٹھان بنگال پر قابض ہو گئے۔ ان سے 1576 میں اکبر (1556-1605) نے بنگال لے لیا اور اسے دہلی کی تیموری سلطنت کا ایک صوبہ بنا دیا۔¹¹

ثروت صولت: ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ 2: 179 (بنگالی زبان کی ترقی کا آغاز بنگال میں مسلمانوں کی ابتدائے حکومت سے ہوتا ہے، اس سے پہلے یہ زبان کاغذوں پر منتقل نہیں ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں ایک بنگالی مؤرخ کی تاریخ ”ترقی علوم در ہندوستان“ میں لکھا ہے: ”سلاطین بنگال کی کوششیں صرف مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی تک محدود نہیں رہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی دیرینہ بیدار مغزی کو ایک نئے راستہ پر علوم کو ترقی دینے میں جس کے ساتھ بنگالی بولنے والوں کو خاص طور سے دلچسپی ہونا چاہیے، متوجہ کیا ان لوگوں کو یہ بات بے جوڑ معلوم ہوگی کہ ان کی زبان اپنی علمی سطح تک پہنچنے میں خود ان کی نہیں بلکہ مسلمانوں کی ممنون ہے جن کی ابتدائی توجہ صرف اس لیے تھی کہ اسے اس سنسکرت زبان سے تعلق ہے جو اس وسیع ہندو آبادی کا محبوب خزانہ ہے، جس کے ساتھ انہیں بہت زیادہ تعلق ہے۔ سلطان حسین شاہ (1493-1519) بنگالی زبان کا بہت بڑا امر بی تھا۔ ملا دہر باسو کو اسی نے بھاگوت پر ان کے بنگالی ترجمہ پر مقرر کیا۔ حسین شاہ کا ایک سپہ سالار پر گل خان نامی ہے جس نے مہابھارت کا ایک کلڑا بنگالی میں ترجمہ کر لیا۔ مسلمان امراء کی بیروی کرتے ہوئے بنگالی مصنفین کی ہمت افزائی اور درباروں میں بنگالی شعراء کے رکھنے کا ہندو راجاؤں میں عام رواج ہو گیا اس دور میں کئی بنگالی شعراء اور مصنفین نے ہندو راجاؤں کے درباروں کو آراستہ کیا جس کی وجہ سے بنگالی زبان نے بہت ترقی کی۔“ (پروموشن آف لرننگ ان انڈیا، ڈیورنگ دی مڈل پیریڈ ص 108 بحوالہ مقالات سلیمان حصہ 20:1) الغرض آہستہ آہستہ عربی اور فارسی زبان کی تعلیم بنگالی اشراف میں بہت مقبولیت حاصل کر گئی۔ مہاراجہ سورج کنترا چارجی ٹاکی، مہاراجہ جتندر موہن ٹاگور اور مہاراجہ ناداکرشنا کے خاندان بنگال میں عربی اور فارسی علوم کے ماہر تھے۔ برہما ساج کے بانی راجہ رام موہن رائے اور راجہ کشب چندر سین جنہوں نے آخر زمانہ میں بنگالی قوم میں مصلح اعظم کا درجہ پایا ہے، علوم اسلامیہ کے واقفین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مولانا حبیب الرحمن شیروانی ندوہ کے اجلاس مدراس (1917) میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”بنگالی کے جدید دور ترقی کا سنگ بنیاد راجہ رام موہن کے قابل ہاتھوں سے رکھا گیا، انہوں نے پٹنہ میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی ان کے چچا نے 15 سال میں عربی علوم کی تکمیل کی تھی“، گریٹ چندر گھوش نے قرآن مجید، تذکرۃ الانبیاء اور مشکوٰۃ کا بنگالی میں ترجمہ کیا۔ بنگال کے بعض مشہور خاندانوں کا سرنام ابھی تک فارسی میں ہے مثلاً

بنگالی زبان کی ترقی کا آغاز بھی بنگال میں مسلمانوں کی ابتدائے حکومت سے ہوتا ہے اس سے پہلے یہ زبان کاغذوں پر منتقل نہیں ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں ایک بنگالی مؤرخ کی تاریخ ”ترقی علوم در ہندوستان“ میں لکھا ہے کہ سلاطین بنگال کی کوششیں صرف مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی تک محدود نہیں رہیں کیونکہ انہوں نے اپنی دیرینہ بیدار مغزی کو ایک نئے راستہ پر علوم کو ترقی دینے میں جس کے ساتھ بنگالی بولنے والوں کو خاص طور سے دلچسپی ہونا چاہیے متوجہ کیا۔ ان لوگوں کو یہ بات بے جوڑ معلوم ہوگی کہ ان کی زبان اپنی علمی سطح تک پہنچنے میں خود ان کی نہیں بلکہ مسلمانوں کی ممنون ہے جن کی ابتدائی توجہ صرف اس لیے تھی کہ اسے اس سنسکرت زبان سے تعلق ہے جو اس وسیع ہندو آبادی کا محبوب خزانہ ہے جس کے ساتھ انہیں بہت زیادہ تعلق ہے۔ سب سے پہلے مہابھارت اور رامائن کی رزمیہ نظموں نے بنگال کے مسلمان سلاطین کو اپنی طرف متوجہ کیا جن کے اشارے سے ان کا بنگالی میں ترجمہ ہوا۔ مہابھارت کا سب سے پہلا ترجمہ ناصر شاہ والی بنگال (1225-1284) کے حکم سے ہوا جو صوبہ کی دیسی زبان کا بہت بڑا مربی تھا اور جسے شاعر اعظم و دیپتی نے اپنی نذر دے کر زندہ جاوید بنادیا۔ (اپنی ایک نظم میں وہ) سلطان غیاث الدین کا بھی ذکر کرتا ہے۔

جس سے غالباً غیاث الدین والی بنگال (1367-1373) مراد ہے۔ مرہٹی زبان کے بنانے میں بھی مسلمانوں کی زبان نے سب سے زیادہ کام کیا، شروع شروع میں مرہٹی زبان ایک وسیع ملک کی جہانداری کی طاقت نہ رکھتی تھی اس لیے انہیں مسلمانوں سے فارسی زبان سیکھنا پڑی۔ بہار، اودھ، صوبہ آگرہ اور دہلی کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے برابر برابر تھی۔ ان ممالک کے بے شمار ہندو فضلاء کے نام تذکروں میں محفوظ ہیں صرف لکھنؤ میں ہی ہندو شعراء کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کرتی ہے۔

3۔ شرقی سلطنت جو پورا اور مسلم وغیر مسلم تعلقات (1394-1476)

فیروز شاہ تغلق کے دور میں جو شہر تعمیر کیے گئے ان میں جون پور نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ اس شہر کی بنیاد 1359 میں ڈالی گئی تھی۔ فیروز شاہ تغلق کے جانشینوں میں ناصر الدین محمود چونکہ اپنے ایک درباری خواجہ سرالملک سرور جہاں کی

ملک، عہدہ دار، سرکار اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنے حاکم وقت کی زبان سے کس قدر محبت تھی۔ (صباح الدین عبدالرحمن، مقالات سلیمان

کوششوں سے تخت دہلی کا وارث بنا تھا اس لیے وہ اس کی بہت قدر کیا کرتا تھا۔ اس نے اسے اپنا متنبی بنا کر ملک الشرق کا خطاب دیا اور قنوج سے لے کر بہار تک کا سارا علاقہ اس کے سپرد کر دیا۔ 1394 میں وہ کول کھروا، اٹاواہ اور مضافات قنوج سے ہوتا ہوا جون پور میں داخل ہوا۔ وہ انتظام ملکی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا، اس نے ان بغاوتوں اور شورشوں کو دانش مندی سے ختم کر دیا جن کا سلسلہ اس وقت زوروں پر تھا۔ اس نے اپنے علاقہ کا نظم و نسق بہترین طریقہ سے چلانا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے بہت جلد قنوج، کڑھ، سندیلہ، بہرائچ، بہار اور ترہٹ وغیرہ اس کے قبضہ میں آ گئے۔ اس نے اپنا دارالحکومت جونپور کو بنایا اور اس کی حکومت شرقی سلطنت کے نام سے موسوم ہوئی۔ خواجہ جہاں نے 1400 میں وفات پائی۔¹² اس کے دو متنبی بیٹے سید مبارک شاہ اور ابراہیم شرقی تھے، اس نے اپنے بعد مبارک شاہ کو جونپور کا وارث تخت مقرر کیا۔ یہ دونوں بھائی ایران کے رہنے والے تھے یہ لوگ فیروز شاہ تغلق کے دور میں 1379 میں ہندوستان آئے اور دہلی میں رہائش اختیار کی۔ خواجہ جہاں ملک سرور بھی ان کے ساتھ آیا جو ان کا غلام تھا لیکن چونکہ اسے اپنے فہم و تدبیر کی وجہ سے دربار شاہی میں جگہ مل گئی۔ فیروز شاہ تغلق کی موت کے بعد طوائف الملوکی کا ایسا دور آیا کہ خواجہ جہاں کی جون پور میں حکومت قائم ہو گئی جو اس کی موت کے بعد مبارک شاہ اور پھر ابراہیم شاہ شرقی کے قبضہ میں چلی گئی۔ 1400 میں مبارک شاہ شرقی جون پور کا تخت نشین ہوا اور اس کی وفات کے بعد 1402 میں اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم شرقی جون پور (1402-1436) کے تخت حکومت پر بیٹھا، یہ بادشاہ علم و فضل، عدل و احسان، اور دینداری کے اوصاف سے متصف تھا۔ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا اس کے نزدیک سب سے اہم تھا، اس ضمن میں تمام شہروں کے قضاة کو باقاعدہ ہدایات جاری کر دی گئیں کہ عدل کی حدود سے کسی صورت باہر قدم نہ رکھا جائے اور اس معاملہ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جائے۔ ابراہیم شرقی بہت سی خوبیوں کا مالک تھا اس نے 1437 میں وفات پائی۔¹³ حسین شاہ شرقی اس سلطنت کا آخری حکمران تھا۔ اس کے دور میں 1476 میں بہلول لودھی (1451-1489) نے جونپور پر قبضہ کر کے سلاطین شرقی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ شرقی سلطنت کے چھبیس سالہ دور میں کل چھ حکمرانوں نے حکومت کی۔¹⁴ ایک دفعہ ابراہیم شرقی کے پاس ایک ہندو فریاد لے کر آیا کہ مسلمان اس کے گاؤں میں اس کی جگہ پر جبراً قبضہ کر کے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اس نے فوراً اس معاملہ میں

12 فرشتہ، تاریخ فرشتہ (مترجم خواجہ عبدالحی)، لاہور، بک ٹاک ٹیمپل روڈ، 4: 467، 1991

13 فرشتہ، تاریخ فرشتہ (مترجم خواجہ عبدالحی)، 4: 470

14 نظام الدین احمد، طبقات اکبری (مترجم محمد ایوب قادری) 3: 286-287، ثروت صولت: ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، 2: 191

مداخلت کی اور مسلمانوں کو ہندو کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنے سے منع کیا اور کہا کہ پہلے وہ جائز طریقہ سے جگہ حاصل کریں اور پھر اس پر مسجد بنائیں۔¹⁵

سلطان ابراہیم شرقی کے دور میں ایک مشہور عالم اور بزرگ سید اشرف جہاں گیر گزرے ہیں۔ آپ حسنی حسینی سید تھے اور آل سمنان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے جونپور کے علاوہ اس کے گرد و نواح کے دیگر مقامات پر اسلام کی تبلیغ کی۔ ایک مقام پر ان کا مقابلہ ایک ہندو جوگی سے ہوا، اس جوگی کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ہوا میں اڑ سکتا ہے مگر شیخ اشرف سے گفتگو کرنے کے بعد وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس قسم کے تمام غلط دعوؤں سے تائب ہو گیا اور اپنے پانچ ہزار چیلوں (مردوں) کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس جوگی نے بابا کمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی۔¹⁶

ابراہیم شرقی کے دور میں کچھ فتاویٰ بھی لکھے گئے ان میں سے ایک فتویٰ جس کا تعلق مسلم و غیر مسلم کی تفریق کے بغیر ہے، وہ درج ذیل ہے:-

فتاویٰ ابراہیم شامی (حصہ دوم عربی)

فتاویٰ کے مخطوطہ کا حصہ دوم عربی زبان میں پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کتاب کے مصنف قاضی احمد بن محمد نظام الدین جونپوری (م 1470) ہے، جو سلطان ابراہیم شرقی والی جونپور کے دور کے علماء میں سے تھے۔ یہ جونپور کے قاضی تھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے ہر طبقہ میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا عبدالحی حسنی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں ان کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں کیا ہے۔ یہ فتاویٰ دو بڑے حصوں پر مشتمل ہے اس کا پہلا حصہ جو عبادات سے متعلق ہے وہ فارسی میں ہے اور دوسرا حصہ جو معاملات سے متعلق ہے وہ عربی میں ہے۔ مصنف نے یہ کتاب ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے لیے مرتب کی۔¹⁷

اس کتاب میں ایک فتویٰ یہ ہے کہ وہ بوسیدہ دیوار جو گزر گاہ عامہ کی طرف عام جھکی ہو اگر وہ گر جائے حالانکہ اس سے پہلے اس کی بوسیدگی کی وجہ سے اس کے گرا دینے کا مطالبہ بھی کیا جا چکا ہو تو اس کے گرنے کی وجہ سے جو مالی و جانی نقصان ہوا ہو،

15 محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1976، 2: 23

16 ایضاً: 163 بحوالہ بزم صوفیہ، ص 451

17 محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، 1973، ص 172

دیوار کا مالک اس کا ذمہ دار ہو گا اور اس قسم کی دیوار کو گرانے کے مطالبہ میں مسلمان اور غیر مسلم برابر کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہاں آمد و رفت میں سب برابر کے شریک ہیں۔¹⁸

4- ریاست کشمیر اور مسلم و غیر مسلم تعلقات (1586-1339)

کشمیر دہلی کی سلطنت میں کبھی شامل نہیں ہوا، یہاں برسوں ہندوؤں کی حکومت رہی۔ کشمیر میں مسلمانوں کی حکومت کی ابتدا چودھویں صدی کے شروع میں ہوئی، اس وقت دہلی میں محمد تغلق حکمران تھا۔ اس مسلم حکومت کی بنیاد شہ میر (1339-1342) نے رکھی جس کا لقب شمس الدین تھا۔ اس نے کل تین سال حکومت کی۔ بعد میں جس طرح برصغیر میں مسلمان بزرگوں کی کوشش سے اسلام پھیلا اسی طرح کشمیر میں بھی سید علی ہمدانی (1314-1384) اور دوسرے بزرگوں کی کوششوں سے اسلام پھیلا۔ اس طرح وادی کشمیر کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے اور یہ علاقہ اسلامی دنیا کا ایک حصہ بن گیا۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ تحائف الابرار کی ایک روایت کے مطابق آپ کی کتابوں کی تعداد 170 تک جا پہنچتی ہے۔ آپ فقہی مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے، اسلام کے سچے اور مخلص مبلغ تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ کشمیری ہندوؤں کو بھی ان کی تبلیغ نے بہت متاثر کیا اور وہ کثیر تعداد میں حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے دو ہندو سنیاسیوں نے اسلام قبول کیا اس کے بعد اور بھی کافی تعداد میں لوگ ان کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔ تحائف الابرار کی روایت کے مطابق سینتیس ہزار غیر مسلم ان کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔¹⁹ آپ نے اپنے سات سو مشائخ کی جماعت لے کر یہ کام کیا۔ ان صوفی مبلغین کی روحانی حکمت عملی کا اصول صلح کل با خاص و عام تھا۔ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مساویانہ طریقہ سے اپنے نظریات و تعلیمات سے مستفید کرتے اور اکثر ذکر کی تاثیر (اسمائے الہی کا ورد وغیرہ) کو غیر مسلموں کے قبول اسلام کی طرف راغب ہونے کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔²⁰

کشمیر کے بادشاہوں میں زین العابدین (1420-1470) سب سے مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ وہ ہرات کے تیموری حکمران شاہ رخ (1404-1447) اور ترکی کے عثمانی حکمران محمد فاتح (1451-1481) کا ہم عصر تھا۔ زین العابدین نے غیاث الدین تغلق (1321-1325) اور فیروز شاہ تغلق کی طرح کسانوں کا محصول بہت کم کر دیا تھا۔ کشمیر میں کئی نہریں نکالیں جن کی

18 ایضاً، ص 192

19 عبدالحی حسنی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، دائرۃ المعارف العثمانیہ، 88:2

20 عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر (مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی) ص 123

وجہ سے پیداوار میں اضافہ ہوا اور ملک خوشحال ہو گیا۔ زین العابدین بڑا دیندار اور غیر متعصب حکمران تھا۔ اس نے ہندوؤں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا، پچھلے بادشاہوں نے ان کے جو مندر تڑوا ڈالے تھے زین العابدین نے ان کو پھر سے بنوا دیا۔ کشمیر سے جو ہندو ظلم کی وجہ سے باہر چلے گئے تھے انہیں واپس کشمیر بلا لیا۔ اس کے دور میں عربی اور سنسکرت کی کئی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا اور کشمیری زبان میں پہلی مرتبہ کتابیں لکھی گئیں۔ سلطان زین العابدین جب 1420 میں تخت کشمیر پر بیٹھا تو اس نے ہندوؤں کے لیے بہت سی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے ہندی میں کرائے۔²¹

چنانچہ ہندوستان کی سب سے پہلی تاریخ جو کسی ہندی قلم نے لکھی وہ کشمیر کی تاریخ راج ترنگنی ہے جو سلطان زین العابدین والی کشمیر کے دور میں لکھی گئی۔ اس کے مصنف کا نام کلہانا ہے۔ اکبر جب کشمیر گیا تو یہ کتاب اس کے دربار میں پیش کی گئی اور اس کے حکم سے اس کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس میں کشمیر کے متعلق پانچ ہزار سال کا حال تحریر کیا گیا ہے، والیان کشمیر کے درباروں میں تاریخ نویسی کا خاص عہدہ تھا اور یہ کتاب اسی کوشش کا ثمر تھی۔²²

سلطان زین العابدین کشمیر کا سب سے ہر دلعزیز بادشاہ ہوا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے نو مسلموں کو جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے، قرآنی حکم لا اکراہ فی الدین (البقرہ 2: 256) کے تحت اجازت دے دی کہ جو چاہے اپنے پرانے مذہب میں واپس آسکتا ہے چنانچہ بعضوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا اور اکثر ان میں سے دین اسلام پر قائم رہے۔ اس کے قوانین، اس کا تدبیر، اس کی سیاست اس دور کے لیے ایک نمونہ تھی۔ علم و فن، صنعت و حرفت کو اس نے بڑی ترقی دی، بہت سے نئے دیہات اور شہر آباد کیے، بہت سی نئی عمارتیں بنوائیں۔ اس کے انصاف کے سبب وہاں کی عوام چین سے سوتی تھی۔²³ سلطان زین العابدین نے نئے مندر تعمیر کرنے کی عام اجازت دے دی، جزیہ ختم کر دیا، گائے کی قربانی روک دی اور سستی کی از سر نو اجازت دے دی۔²⁴

21 نظام الدین احمد، طبقات اکبری (مترجم محمد ایوب قادری) 427:3

22 صباح الدین عبدالرحمن، مقالات سلیمان 12:1

23 نظام الدین احمد، طبقات اکبری (مترجم محمد ایوب قادری) 423:3

24 عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر (مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی)، ص 127

برصغیر میں غیر مسلموں پر جزیہ کا نفاذ ماہرین کے ہاں ہمیشہ زیر بحث رہا ہے اور اس کے نفاذ کے حوالہ سے دو آراء رہی ہیں۔ جزیہ کا ابتدائی نفاذ اس حوالہ سے یقیناً معنویت رکھتا ہے کہ وہ ریاست سے اطاعت و فرمانبرداری کا ایک باضابطہ اظہار ہے جیسا کہ موجودہ دور میں بھی ٹیکسوں کی ادائیگی شہریوں کی ذمہ داری تصور کی جاتی ہے اور اس کی ادائیگی سے انکار رسولِ نافرمانی قرار پاتی ہے۔ جہاں تک سستی کی رسم کا تعلق ہے تو اس کے غیر انسانی ہونے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے اور اس کا ممنوع قرار دینا بظاہر ہندو مذہب میں مداخلت تصور ہوتا ہے۔ غالباً اسی بنا پر سلطان زین العابدین نے مذہبی روداری کے حوالہ سے اس کی اجازت دے دی۔ لیکن انسانی جان کی حرمت تمام چیزوں سے بالا ہے اور اس کو ایک مرنے والے انسان کے نام پر پامال کر دینا کسی صورت کسی معقول مذہب میں گنجائش نہیں رکھتا اور یقیناً یہ رسم بعض مذہبی پنڈتوں نے مذہب کا حصہ بنا کر انسانیت اور بالخصوص خواتین کا استحصال کیا ہے۔

سری بھٹ جو سلطان زین العابدین کا وزیر تھا جب وہ فوت ہو گیا تو سلطان نے ایک کروڑ کشمیری سکھ جو چار سو اشرفی کے برابر تھا اس کے بچوں کی گزر اوقات کے لیے دیا۔ کشمیر کی آزاد اسلامی حکومت تقریباً ڈھائی سو سال قائم رہی اس کے بعد 1557 میں کشمیر پر دہلی کے مغل بادشاہ اکبر نے قبضہ کر لیا اور اس طرح یہ علاقہ دہلی کی مغل سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔²⁵ اس زمانہ میں لوگوں نے خواہ انفرادی طور پر اسلام قبول کیا یا جماعتی طور پر، ہندو قوم نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ البتہ اگر مسلمانوں کی طرف سے جبر سے کام لیا گیا تو ضرور مخالفت ہوئی لیکن یہ مخالفت بھی مذہب تبدیل کرنے والوں کے احباب، اعزاء اور پڑوسیوں کی طرف سے تھی۔ ہندو قوم کی طرف سے اسے بظاہر کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ کشمیر میں ہندو مدت سے اسلام قبول کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب وہاں کی آبادی میں نوے فی صد مسلمان ہیں حالانکہ ان کے رسم و رواج آج بھی ہندوانہ ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں ریاست کے حکمران نے یہ محسوس کیا کہ ان نو مسلموں میں بہت سے ایسے ہیں جو ہندو مذہب میں واپس آنا چاہتے ہیں اس نے ایک وفد بنارس کے پنڈتوں کے پاس بھیجا اور یہ دریافت کروایا کہ مذہب کی رو سے یہ جائز ہے یا ناجائز پنڈتوں نے فتویٰ دیا کہ اس طرح مذہب کی تبدیلی جائز نہیں ہے چنانچہ معاملہ ختم ہو گیا۔

نظام الدین احمد، طبقات اکبری (مترجم محمد ایوب قادری) 428:3

الغرض ہندوستان میں ہزار سال مسلمانوں کی حکومت رہی لیکن ہندوؤں کو اپنی رعایا سمجھ کر ان کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ دہلی جو آٹھ سو سال مسلمانوں کا دار الحکومت رہا، اس شہر میں مسلمان بارہ فی صد تھے۔ حیدر آباد دکن میں جہاں پانچ سو سال مسلمانوں کی حکمرانی رہی وہاں مسلمانوں کی تعداد پندرہ فی صد تھی۔ مسلم و غیر مسلم تعلقات میں ہم آہنگی اور مفاہمت کی بنیادی قدر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ برصغیر میں مسلم دور حکومت کے دوران مسلم و غیر مسلم تعلقات میں ہم آہنگی کا پہلو باہمی عناد اور دشمنی کے پہلو پر غالب رہا۔ مسلمان رفتہ رفتہ برصغیر کے مستقل شہری بن گئے اور انہوں نے نہ صرف یہاں کی ثقافت کو متاثر کیا بلکہ بعض مقامی اثرات کو بھی انہوں نے خوش آمدید کہا۔

نتائج تحقیق

- 1- ہندوؤں کو مسلمانوں سے کچھ زمانہ تک جو بُعد تھا اس کا اثر یہ تھا کہ کوئی ہندو مسلمان بادشاہوں کے دربار میں نوکری تک قبول نہیں کرتا تھا رسوم و عادات کی یہ بندش سب سے پہلے دکن میں ٹوٹی مسلمان سلاطین نے ہندو فاضلوں کی قدر افزائی شروع کر دی اور اس طرح سے وہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی جانب مائل ہونے لگے۔
- 2- محمد شاہ کے زمانے میں راجہ جے سنگھ والی جے پور نے دہلی، بنارس اور اجین میں رصد خانے قائم کرائے۔ ملا خیر اللہ مہندس رصد خانہ دہلی کے منتظم خاص تھے، بنارس کا رصد خانہ اب تک موجود ہے اور ہندوؤں کے تہواروں میں اور شادی بیاہ کی تاریخوں میں اس سے اب تک مدد لی جاتی ہے۔
- 3- مسلم عہد میں ہندوؤں کی تعلیم روز بروز ترقی کرتی گئی، فارسی دانی و علوم عربی کی تحصیل کا شوق، شاعری کا ذوق، خطاطی، خوشنویسی، حساب وغیرہ کی تعلیم نہایت عام ہوئی گئی یہاں تک کہ اس دور میں یہ نظر آتا ہے کہ ہر شریف ہندو کچھ نہ کچھ پڑھا لکھا تھا
- 4- بنگالی زبان کی ترقی کا آغاز بھی بنگال میں مسلمانوں کی ابتداء حکومت سے ہوتا ہے۔ سب سے پہلے مہابھارت اور رامائن کی رزمیہ نظموں نے بنگال کے مسلمان سلاطین کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ جن کے اشارے سے ان کا بنگالی میں ترجمہ ہوا مہابھارت کا سب سے پہلا ترجمہ ناصر شاہ والی بنگال (1225-1284) کے حکم سے ہوا جو صوبہ کی دیسی زبان کا بہت بڑا امر بن گیا تھا۔
- 5- ابراہیم شرقی کے دور میں جو فتاویٰ لکھے گئے ان فتاویٰ میں بھی مسلم و غیر مسلم کی تفریق کے بغیر اپنی رائے عوام کے لئے دی گئی۔

6- ہندوستان کی سب سے پہلی تاریخ جو کسی ہندی قلم نے لکھی وہ کشمیر کی تاریخ راج ترنگنی ہے جو سلطان زین العابدین والی کشمیر کے دور میں لکھی گئی۔ اس کے مصنف کا نام کلہانا ہے۔ اس کتاب میں کشمیر کے متعلق پانچ ہزار سال کا حال تحریر کیا گیا ہے۔

7- سلطان زین العابدین کے دور میں کشمیر میں نو مسلموں کو جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے، قرآنی حکم لا اکراہ فی الدین (البقرہ 2: 256) کے تحت اجازت دے دی کہ جو چاہے اپنے پرانے مذہب میں واپس آسکتا ہے چنانچہ بعضوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا اور اکثر ان میں سے دین اسلام پر قائم رہے۔

8- سلطان زین العابدین کے دور میں اس کے قوانین، اس کا تدبیر، اس کی سیاست اس دور کے لیے ایک نمونہ تھی۔ علم و فن، صنعت و حرفت کو اس نے بڑی ترقی دی، بہت سے نئے دیہات اور شہر آباد کیے، بہت سی نئی عمارتیں بنوائیں۔ سلطان زین العابدین نے نئے مندر تعمیر کرنے کی عام اجازت دے دی، جزیہ ختم کر دیا، گائے کی قربانی روک دی۔ اس کے انصاف کے سبب وہاں کی مسلم و غیر مسلم عوام بلا تفریق مذہب آرام سے رہتی تھی۔

9- اس زمانہ میں لوگوں نے خواہ انفرادی طور پر اسلام قبول کیا یا جماعتی طور پر، ہندو قوم نے اس کی مخالفت نہیں کی البتہ اگر مسلمانوں کی طرف سے جبر سے کام لیا گیا تو ضرور مخالفت ہوئی۔ لیکن یہ مخالفت بھی مذہب تبدیل کرنے والوں کے احباب، اعزاء اور پڑوسیوں کی طرف سے تھی ہندو قوم کی طرف سے اسے بظاہر کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ کشمیر میں ہندو مدت سے اسلام قبول کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب وہاں کی آبادی میں نوے فی صد مسلمان ہیں حالانکہ ان کے رسم و رواج آج بھی ہندوانہ ہیں۔

10- کچھ تو اس وجہ سے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت ایسی تھی جو ہندو سے مسلمان ہوئے تھے اور کچھ مدتوں کے ربط و ضبط کی وجہ سے دونوں میں بہت سی مشترکہ خصوصیات، عادات، رہن سہن کے طریقے اور فنی ذوق پیدا ہو گئے۔ موسیقی، فن مصوری، فن تعمیر، غذا، لباس اور عام روایات میں بہت کچھ مشترکہ نظر آنے لگا۔ یہ اثرات شمالی ہند میں خصوصیت کے ساتھ رونما ہوئے۔ ہندو مسلمان دونوں صلح و امن کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر ایک قوم کی طرح رہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے تہواروں اور خوشیوں میں شریک ہوتے تھے، ایک زبان بولتے تھے، کم و بیش ایک طریقہ پر رہتے سہتے تھے اور سب کے اقتصادی مسائل بھی یکساں تھے۔ امراء اور زمینیں رکھنے والے شرفاء اور ان کے دست نگر لوگ دربار کی تقلید کرتے تھے۔ (یہ لوگ چونکہ زمینوں کے مالک نہ تھے اس لیے انہیں لگان وصول کرنے کا حق نہیں تھا بلکہ ایک مقررہ علاقہ کی سرکاری مالگذاری وصول کرتے تھے اور اسے

اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ یہ حق عموماً زندگی بھر کے لیے ہوتا تھا۔) اس طبقہ کی معاشرت بہت پیچیدہ اور پر تکلف تھی یہ ایک ہی لباس پہنتے تھے اور ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے تھے۔ ان کی فنی دلچسپیاں، فوجی تفریحی مشغلے، شکار، بہادری اور کھیل کود ایک ہی طرح کے ہوتے تھے۔